قرآن مجید کے معانی، قرآن کی زبانی

ڈاکٹر تسنیم احمد

قرآن مجید، اللہ کی کتاب ہونے کے ساتھ زمین کے اوپر خالقِ کائنات کی نشانی ہے۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مخلوق نہیں بلکہ خالق کا کلام ہے۔ اس سے مراد اس کا کاغذ، سیاہی یا اس کی جلد نہیں بلکہ اس کی روح ہے، جو ایک غیر مرئی کلام ہے۔ خود مالکِ کائنات اسے کفار کے اس اعتراض: ''یہ اکٹھا کیوں نہیں اترتا؟ کہیں اس کو بیان کرنے والا سوچ سوچ کر موقع محل کے لحاظ سے کچھ دل سے تو نہیں گھڑ لیتا ہے (نعوذ باللہ)''، کے جواب میں یہ فرماتا ہے کہ ''اے نبیؐ، یہ ہم ہیں جو اسے تم پر تھوڑا تھوڑا بتدریج (نجمًا نجمًا) اتار رہے ہیں''۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ (الدھر ۷۶:۲۳)، خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والے کلامِ الٰہی کا یہ نام نامی نزولِ قرآن کے دوران پہلی مرتبہ سورۂ دھر میں آیا جو نبوت کے پانچویں برس میں نازل ہوئی۔ جب سہ سالہ خاموش دعوتی دور کے بعد ہر چوک، بازار اور میلے میں ایمان کی دعوت دی جارہی تھی۔

● **کتابُ اللہ کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نام:** اب اس بات کی ضرورت تھی کہ اس کلام کا نام بھی بتا دیا جائے کہ اہلِ مکہ 'توراۃ اور انجیل' کے ناموں سے تو واقف تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل حسرت و یاس سے کہا کرتے تھے کہ 'کاش! ہمارے پاس بھی کوئی آسمانی کتاب آتی تو ہم اُس پر عمل کرتے اور ہدایت یاب ہوتے'۔ کلام پاک میں خود اس کتاب کے اَلْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا سے ماسوا مزید چھ (۶) نام آئے ہیں اور یہ تمام نام مکی سورتوں ہی میں وارد ہوئے ہیں۔

مدینے پہنچنے سے قبل سارے حجاز میں کتابُ اللہ کی حیثیت معلوم، معروف اور مستحکم ہوگئی

تھی۔ اس کتاب کو جب مخلہ کے مقام پر جنوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں تلاوت کرتے ہوئے سنا تو کہا: اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ (الجن ۷۲:۱)، یعنی یہ قراءت کی جانے والی، تلاوت کی جانے والی یا پڑھی جانے والی بے مثال اور حیرت انگیز چیز ہے۔ اسے سورۂ ق میں وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ، انتہائی بزرگی والا کہا گیا، درحقیقت خالق کائنات کی بزرگی اِس کے ساتھ ملحق ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا کہا گیا۔ سورۂ یٰسٓ میں اسے حکمت سے بھرپور ہونے اور اپنے بنیادی معانی اور مفاہیم کو باوضاحت کھول کر بیان کرنے والی نصیحتوں سے بھرپور ہونے کی بنا پر قُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اور ذِکْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ کے ناموں سے پکارا گیا۔ سنہ ۶ نبوی میں اہلِ شہر پر اتمامِ حجت کرتی ہوئی سورۂ کافرون کے بعد سورۂ واقعہ میں بڑا فیض بخش بتانے کے لیے اسے قُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ کہا گیا کہ نادانو، جس چیز کو تم ٹھکرا رہے ہو، وہ تو انتہائی فیض بخش و فیض رساں ہے۔ اپنے کلام کو اللہ تعالیٰ نے آخری مرتبہ ۱۲ویں سنہ نبوت میں، جس برس معراج ہوئی قُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ کے نام سے سورۂ فجر میں پکار کے اس کی شان و عظمت کو بیان کیا۔ کسی مدنی سورہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب کو اِن ناموں سے ماسوا کسی دیگر نام سے نہیں پکارا۔

قرآن مجید کے ۲۳ سالہ دورِ نزول میں لفظ 'قرآن' ۶۳ مرتبہ مکہ میں نازل ہونے والے قرآن میں اور ۷ مرتبہ مدینہ میں اُترنے والے قرآن میں وارد ہوا ہے۔ ہر مرتبہ یہ اُس کے مقاصدِ نزول، اُس کی برکات، اُس کے مقام اور اس کے ساتھ انسان اور اہلِ ایمان کے تعلق اور پسندیدہ روّیے کو بیان کرتا ہے۔ یہ حالتِ رفعی، نصبی و جرّی، تینوں صورتوں میں آیا۔ باطل کے ساتھ کش مکش اور آخرکار دین کے کامل اور غالب ہوجانے کے مختلف مراحل میں اس کا بیان دینِ اسلام کے دعوتی، تربیتی اور انقلابی تینوں پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اقامتِ دین کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد اور کارِ نبوت کی تکمیل کی تاریخی ترتیب پر اس لفظ کے استعمال پر تدبر، تفہیمِ دین کی راہیں کشادہ کرتا ہے۔

یہاں پر ۲۳ برسوں کے مختلف مراحل میں اس دور کے احوال سے مناسبت رکھنے والی کچھ نمائندہ مکّی آیات پر گفتگو سے قارئین کو لفظ 'قرآن' کو سمونے والی آیات پر غور و تدبر سے قرآن فہمی اور اُس کے مقاصدِ نزول سے عمیق آگہی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ مختصر مضمون میں تمام ۷۰ آیات پر

روشنی ڈالنا مشکل ہے۔ تاہم ہر برس کی ایک دو آیات کو اُس زمانے اور اُس وقت کے احوال میں قرآن، جو کچھ خود اپنے بارے میں بیان کرتا ہے ہم پیش کرتے ہیں، جن کا بنیادی اور مرکزی فہم ہر سننے والے کو حاصل کرنا آسان ہوتا تھا۔

حیاتِ طیّبہ کے دوسرے برس، سورۂ قیامہ میں فرمایا گیا: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ (القیامۃ ۷۵:۱۷-۱۹) کہ اے نبیؐ، نزولِ قرآن کے موقع پر یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اسے تمھارے ذہن نشین کرا دیں (جَمْعَهٗ) اور تم سے پڑھوا دیں (قُرْاٰنَهٗ)۔ اسے یاد کرنے کے لیے کسی تردّد کی ضرورت نہیں۔ پس، جب جبریلؑ امین اسے تمھیں سنا رہے (قَرَاْنٰهُ) ہوں تو تم اس قراءت کا تتبع کرو، یعنی توجہ سے سنو۔ رہا اس کی تشریح و تفسیر سمجھنے (بَيَانَهٗ) کے لیے بھی کسی پریشانی کا کیا معاملہ، یہ تو ہمارے ذِمّے ہے۔

یہاں ذرا ایک لمحے کے لیے رُک کر یہ غور کریں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہنِ مبارک پر قرآن کی تشریح و تفسیر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام اللہ کی جانب سے آپؐ پر کسی خیال و مضمون کا القا، وحی کی شکل میں ہی ممکن ہے، جسے ہم 'وحی غیر متلو' کہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر 'وحی متلو' (قرآنِ مجید) کے علاوہ بھی وحی کا ایک بڑا خزانہ اتارا گیا، جس کے ذریعے آپؐ نے قرآن مجید کی قولی اور عملی تفسیر دنیا کے سامنے پیش کی۔ آخر کس نادانی سے منکرینِ اسلام، سنّت کی اہمیت و وجوب کا انکار کرتے ہیں۔

حیاتِ طیّبہ کے چوتھے برس میں، جب مکّہ شہر والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا اپنے لیڈروں کی پیروی میں مذاق اُڑا رہے تھے اور بات کو مان کر نہ دے رہے تھے اور نہ بات کو سمجھنا ہی چاہ رہے تھے، تو ایسی صورتِ حال میں سورۂ سبا میں فرمایا گیا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ (السبا ۳۴:۳۱) ''کافر کہتے ہیں کہ ''ہم ہرگز اس قرآن کو نہ تسلیم کریں گے اور نہ اِس سے پہلے آئی ہوئی کسی کتاب کو''، کاش! تم ان کا حال اس وقت (روزِ محشر) دیکھو جب یہ ظالم مشرک اپنے ربّ کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اس وقت یہ ایک دوسرے کو الزام دے رہے

ہوں گے، جو پیچھے چلنے والے لوگ (عوام کالانعام) دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے، وہ بڑے بننے والے اپنے لیڈروں سے کہیں گے کہ ''اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے''۔

پانچویں برس میں، جب مومنین پر ایمان لانے کے جرم میں زندگی تنگ کردی گئی تھی، جسمانی اذیتوں اور معاشرتی پابندیاں اُن کا مقدّر بن رہی تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی جانب سے انکار و ناقدری پر بہت افسردہ تھے۔ سورۂ ق میں فرمایا گیا: نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾ (ق ۵۰:۴۵)، ''اے ہمارے پیغمبرؐ، ہمیں معلوم ہے، جو باتیں تمھاری دعوت کے جواب میں یہ بناتے ہیں۔ سنو، تم اِن پر زور زبردستی کر کے اسلام میں داخل کر دینے والے داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو، تمھارا کام بس اتنا ہے کہ جو ہماری تنبیہات سے ڈرتا ہو اُسے قرآن مجید کے ذریعے نصیحت کرو''۔

پانچویں برس کے وسط میں اپنے دین و ایمان کو بچانے اور دیارِ غیر میں اسلام کی دعوت پہنچانے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کی مشیت مسلمانوں کے ایک گروہ کو ہجرت کرا کے قریب کی مسیحی مملکت حبشہ کی جانب لے گئی۔ قریش کی جانب سے اِن مسلمانوں کو واپس مکہ لانے کی سفارتیں اور تمام کوششیں ناکام ہوگئیں اور وہاں کے سربراہِ مملکت نجاشی نے مسلمان مہاجرین کو عزّت و اکرام دیا۔ اس کے نتیجے میں اِس خوف سے کہ مکہ میں باقی رہ جانے والے مسلمان بھی کہیں وہاں نہ چلے جائیں اور پھر اُن کی مملکت مسلمان ہو کر اِن پر حملہ آور نہ ہو جائے، وہ مسلمانوں کو مزید تنگ کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر تُل گئے۔ اسی برس کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیّدنا حمزہ بھی ایمان لے آئے۔

اِن کے ایمان لانے کے چند ہی روز بعد چھٹے برس کا آغاز ہوگیا اور عمرؓ بن الخطاب ایمان لے آئے۔ یہ چھٹا برس ہے اور اہلِ ایمان کے لیے دورِ تشدد اختتام کی جانب ہو رہا ہے۔ ان حالات میں اہلِ ایمان کو بتایا جاتا ہے: طٰسٓمّٓ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ (النمل ۲۷:۱-۳)۔ فرمایا جا رہا ہے کہ ''طٰسٓمّٓ، یہ آیات ہیں قرآن اور کتابِ مبین کی، ہدایت اور بشارت اُن ایمان لانے والوں کے لیے جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور پھر وہ ایسے لوگ

ہیں جو آخرت پر پُورا یقین رکھتے ہیں''۔ قرآن اعلان کر رہا ہے کہ اپنے معانی بیان کرنے میں وہ ایک کھلی کتاب، كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ہے، ایک عام قاری جو اسے اخلاص کے ساتھ مطالعہ کر کے سمجھنا چاہے اُسے یہ اپنا مرکزی خیال بہ آسانی مہیا کرتی ہے۔

آنے والے دنوں میں، آٹھویں برس، قرآن نے اپنے بارے میں یہی بات تکرار کے ساتھ بتائی: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ (القمر ۵۴: ۴۰)، یعنی تحقیق ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے بڑا آسان اور موزوں بنایا ہے، پس ہے کوئی جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔

اس مقام پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ رسالت کا ساتواں، آٹھواں اور نواں برس وہ زمانہ تھا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے بنو ہاشم کو آپؐ کی پشت پناہی کے 'جرم' میں سارے قریش کے مقاطعے کا سامنا تھا، نہ کوئی بات کرتا تھا، نہ اِن سے خرید و فروخت، نہ شادی بیاہ۔ اِن حالات میں ابوطالب، سردارِ بنو ہاشم اپنے پورے قبیلے کو لے کر آبادی سے باہر کی جانب قبیلے کے ایک قطعۂ زمین، شعبِ بنو ہاشم پر جا کر قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اسی مقاطعہ کے دوران سورۂ فرقان نازل ہوئی، جس میں روزِ قیامت اللہ کے رسولؐ کی جانب سے اپنی قوم کے قرآنِ مجید کے ساتھ بے اعتنائی برتنے اور اسے نشانہ تضحیک بنانے پر احتجاج کیے جانے کا تذکرہ یوں وارد ہوا: وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ (الفرقان ۲۵: ۳۰) ''اور رسولؐ کہے گا کہ ''اے میرے ربّ، میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانۂ تضحیک بنا لیا تھا''۔

شعب بنو ہاشم میں مقاطعے کے تین برس گزارنے کے بعد، جب بنو ہاشم نبوت کے دسویں برس کے اوائل میں واپس شہر میں آئے تو ابوطالب مرض الموت میں تھے، دیگر سردارانِ قریش نے چاہا کہ ابوطالب اپنے انتقال سے قبل محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بقائے باہمی کا کوئی معاہدہ کروا دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ لوگ توحید کی گواہی دیں تو عرب و عجم کی بادشاہی اِن کی ہوگی۔ یہ سُن کر تمام سردار مایوس ہو کر یہ بڑبڑاتے ہوئے پلٹ گئے کہ یہ تو وہی اپنی پرانی رٹ لگائے ہوئے ہے۔ سورۂ صٓ اِس اجلاس کی رُوداد بیان کرتی ہے اور اس سورہ کا آغاز قرآن مجید کے سراسر نصیحت ہونے کے اعلان سے ہوتا ہے: صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ﴿۱﴾ (صٓ ۳۸: ۱)

اس سال کے اواخر میں آپؐ نے اہلِ مکہ کی طرف سے فوری طور پر مزید کسی تعاون کا

قرینہ نہ پاکر طائف کا رخ کیا کہ شاید وہ بات کو سمجھیں، لیکن اُن کے سرداروں نے آپؐ کو سخت تضحیک کا نشانہ بنایا۔ واپسی کے سفر میں مکہ کی سرحد، نخلہ کے مقام پر جنوں نے آپؐ کو قرآن مجید تلاوت کرتے ہوئے سُنا اور وہ ایمان لے آئے۔ اس بات کا تذکرہ سورۂ احقاف میں اِن الفاظ میں وارد ہوا: وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ (احقاف ۴۶:۲۹)، ''جب ہم جنوں کے ایک گروہ کو تمھاری طرف لے آئے تھے، تاکہ قرآن سنیں، جب وہ اس جگہ پہنچے (جہاں تم قرآن پڑھ رہے تھے) تو انھوں نے آپس میں کہا: خاموش ہو جاؤ۔ پھر جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف پلٹے''۔ یہ بات آپؐ کے لیے اطمینان کا ذریعہ بنی۔

بنو ہاشم کے سردار، ابولہب نے اپنے بھتیجے کو بنو ہاشم سے خارج کرتے ہوئے اُس کی پشت پناہی سے ہاتھ اُٹھا لیا تھا۔ مطعم بن عدی کی جانب سے پناہ مل جانے پر اُس کی حفاظت میں آپؐ مکہ میں داخل ہو سکے۔ چند ہی ہفتوں بعد حج کا موسم آ گیا اور حسبِ معمول آپؐ باہر سے آنے والے حاجیوں تک توحید کی دعوت پہنچانے میں سرگرم ہو گئے۔ اس سرگرمی کے دوران یثرب سے آئے ہوئے چھ افراد کے سامنے ایمان کی دعوت پیش کی تو سیّدنا اسعد بن زرارہ کی تحریک پر یہ تمام لوگ ایمان لے آئے۔ یہ واقعہ یثرب کے مدینۃ النبی بننے کا نقطۂ آغاز تھا۔

ادھر اسلام اپنے غلبے کی ایک اڑان لے رہا تھا، مگر قریش اپنی بڑائی کے زعم میں اس بات سے غافل تھے کہ زمین اُن پر تنگ ہوتی جا رہی ہے۔ اسلام حبشہ، یمن اور یثرب ہی میں نہیں تمام اطرافِ شہرِ مکہ میں اپنی جڑیں پکڑنا شروع کر چکا تھا۔ یہ نبوت کا گیارھواں برس تھا۔ آپؐ کی قوم کے مشرکینِ قریش قرآن مجید کو اللہ کی کتاب تسلیم نہ کرنے پر اڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے معجز بیان کے کلام کو انسانی کلام کہہ رہے تھے۔ چنانچہ اب قریش پر اتمامِ حجت ہو رہا تھا۔

سورۂ یونس اسی اتمام حجت کو بیان کرنے والی سورہ ہے۔ اس میں قرآن کی حقیقت یوں بیان کی جاتی ہے: وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ (یونس ۱۰:۳۷)، ''اور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو اللہ کی وحی و تعلیم کے بغیر تصنیف کی جا سکے، بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آسمانی کتب آ چکی ہیں

اُن کی تصدیق اور لوحِ محفوظ میں ثبت و رقم الکتاب کی تفصیل ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سارے جہانوں کے پالنہار کی جانب سے ہے‘‘۔

بارھویں برس میں اہلِ مکہ پر جاری اتمامِ حجت کے دوران، جب بیعت عقبہ اولیٰ ہو چکی اور یثرب میں تعلیم کے لیے حضرت مصعب بن عمیرؓ وہاں تشریف لے جا چکے اور اہلِ یثرب کی مختلف جماعتوں کے لیے نقیب مقرر کیے جا چکے، تو اہلِ مکہ کی ضد اور ہٹ دھرمی پر آزردہ اہلِ ایمان کو سورۂ رعد میں یہ بتایا گیا کہ ناممکنات کو ممکن بنا دینا اللہ کے لیے ناممکن نہیں۔ کیا اہلِ ایمان نہیں جانتے کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟ لیکن اللہ کی مشیت یہ نہیں کہ وہ زبردستی بغیر لوگوں کی چاہت کے ایمان اُن کے سینوں میں اُنڈیل دے۔ ایمان اُن ہی لوگوں کو عطا ہوتا ہے، جو اُس کی طلب میں صادق ہوتے ہیں۔ فرمایا گیا: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ (الرعد ۱۳:۳۱)، ’’اور کیا ہو جاتا اگر کوئی ایسا قرآن اُتار دیا جاتا، جس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین شق ہو جاتی، یا مُردے قبروں سے نکل کر بولنے لگتے؟‘‘ اس بارھویں برس میں نازل ہونے والی سورۃ الحجر میں سات آیات والی سورۂ فاتحہ کی عظمت کے بارے میں فرمایا گیا: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ (الحجر ۱۵: ۸۷)، ’’ہم نے تم کو سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار دہرائی جانے کے لائق ہیں اور تمھیں قرآنِ عظیم عطا کیا ہے‘‘۔

علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ سے مراد سورۂ فاتحہ ہی ہے جیسا کہ بخاری و موطا، امام مالک کی احادیث بیان کرتی ہیں (بخاری کی احادیث ۴۴۷۴، ۴۷۰۳؛ موطا امام مالک، کتاب الصلوٰۃ ۸، مَا جَاءَ فِي أُمِّ الْقُرْاٰنِ) اور تمام متقدمین مفسرین بیان کرتے ہیں۔ دورِ حاضر کے بعض محققین نے اس سے مراد کلام مجید کے نہ ختم ہونے والے اسرار و رُموز کو کھولتے ہوئے اس سے کچھ دوسرے بالکل مختلف معانی بھی اخذ کیے ہیں۔ (تدبر قرآن، چہارم، ص ۳۷۸)

سیرت النبیؐ کے مطالعے میں یہ بارھواں برس اس لحاظ سے بھی اہم اور بابرکت ہے کہ اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج عطا ہوئی۔ معراج کا تذکرہ سورۂ بنی اسرائیل میں وارد ہے، جیسا کہ لوگ جانتے ہیں کہ معراج میں پنج وقتہ نماز کا حکم ملا، جس کا تذکرہ یوں وارد ہوا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝ (بنی اسرائیل ۱۷:۷۸)، ''نماز قائم کرو (اہتمامِ وقت کے ساتھ خشوع وخضوع سے معاشرے میں نماز کی ادائیگی کا نظام) زوالِ آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب اور عشاء) اور فجر کے قرآن (با اہتمام طویل قراءت) کا بھی التزام کرو، کیونکہ (فرشتوں کی گواہی/ شہادت سے) قرآنِ فجر مشہود ہوتا ہے''۔ نماز کے پانچوں اوقات کی جانب سورۂ ہود میں اشارات موجود ہیں (تفہیم القرآن، دوم، حاشیہ ۹۵، ص ۶۳۵)، منکرین حدیث کا یہ دعویٰ کہ ''پانچ اوقات کی جانب قرآن مجید میں کوئی اشارہ نہیں''، بالکل بے بنیاد ہے۔

دورِ نبوت کا تیرھواں برس مکہ میں دورِ نبوت کا آخری برس ہے۔ آپؐ ماہِ صفر کی آخری تاریخوں میں یثرب کی جانب ہجرت کے لیے غارِ ثور میں قیام پذیر ہوئے۔ تین روز یہاں قیام کر کے یہیں ربیع الاوّل کا چاند دیکھ کے آگے روانہ ہوئے۔ تیرھویں برس میں ہجرت سے کچھ قبل سورۂ اعراف اور سورۂ نحل کی دو آیات نازل ہوئیں جن میں قرآن کو توجہ سے سننے اور تلاوت سے قبل تعوذ کے کلمات ادا کرنے کی ہدایت کی گئی: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (اعراف ۷:۲۰۴) ''جب قرآن تمھارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو، شاید کہ تم پر بھی رحمت ہوجائے''، اور فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۝ (النحل ۱۶:۹۸) ''پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطانِ رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو''۔